پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی
ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی

اسلام میں سماجی اور طبّی خدمات کا تصوّر

لفظ انسان کا مادہ اُنس ہے جس کا معنیٰ پیار اور محبت ہے۔ گویا کہ پیار اور محبت انسان کے خمیر میں ودیعت کر دی گئی ہے، اس کی موجودگی میں وہ اپنے دوسرے ہم جنس انسانوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے پر مجبور ہے[1]

اللہ تعالیٰ اپنے بندے انسان پر بے انتہا مہربان ہے اور اس کے ساتھ بہت زیادہ پیار کرتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اس کی بے جا اور غیر قانونی موت سطح زمین پر موجود پوری انسانیت کی موت قرار دیدی گئی ہے اور اس کو زندگی دینا یا اس کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا سطح زمین پر موجود پوری انسانیت کو زندگی دینے یا اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ جو انسان اپنے دوسرے انسان بھائی کو بے جا قتل کرے اس کی سزا ابدی جہنم قرار دیدی گئی ہے[2]

اللہ تعالیٰ کو اپنا بندہ (انسان) بہت پسند ہے، جو بھی اس کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے اللہ کی نظر میں وہ ناپسندیدہ بنتا ہے، اور جو بھی اس کے ساتھ نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ پسندیدہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیثِ قدسی کے مفہوم کے مطابق اللہ کے بندوں کو کھانا کھلانا، ان کی بیمار پُرسی کرنا اور ان کو کپڑے دینا اللہ تعالیٰ کو کھانا کھلانے، بیمار پُرسی کرنے اور کپڑے دینے کے برابر ٹھہرایا گیا ہے[3]

یہ حقیقت ہر انسان کو معلوم ہے کہ انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ان کی ضرورت ہے۔ انسان دنیا میں تنہا زندگی نہیں گذار سکتا، وہ اپنی ساری ضروریات تنہا پوری نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسانوں کو حقوق و فرائض کی رسّی میں مضبوطی سے جکڑ رکھا ہے[4]

اگرچہ انسان فطرتی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور ہے مگر اپنے ہم جنس انسانوں میں پھر اس کا میلان اُن انسانوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے جو اس کے ہم فکر ہوتے ہیں، اور یہ تو ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے

---

[1] کوئی بھی عربی لغت [2] قرآن کریم ۴: ۹۳ [3] بخاری، کتاب المرضیٰ، باب وجوب عیادۃ المریض
[4] اسلامی تشخص، ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، لاہور ۱۹۹۰ ص۱-۱۰

کہ کسی گروہ یا جماعت کی مضبوطی اور قوت کا بنیادی سبب اس کے افراد کا آپس میں ہم فکر ہونا ہے۔ ہم فکری اور یک فکری ایک ایسی چیز ہے جو کسی جماعت یا گروہ کو وحدت عمل کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک ہی فکر رکھنے والے افراد پھر اپنی منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کرتے ہیں اور اس مجتمع قوت سے وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں، اس شریک و مجتمع قوت کے سامنے پھر پہاڑ اور سمندر بھی نہیں ٹھہر سکتے[1]

ہم فکری اور یک فکری کا رشتہ خون کے رشتے سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کبھی بھی خون کے رشتے کی اہمیت سے انکار تو نہیں کیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں فکر کی بنیاد پر قائم رشتے اور بھائی چارے کو بہت اہمیت دیتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ[2] (ترجمہ) "مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔ اور مومن تو ہوتے بھی وہی لوگ ہیں جن کی فکر اور عقیدہ ایک ہوتا ہے۔

احادیث میں بھی اس رشتے اور بھائی چارے کو بہت اہمیت دی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ[3] (ترجمہ) "اللہ کی مدد اور نصرت اتحاد اور اتفاق سے رہنے والی جماعت، یا گروہ کے ساتھ ہوتی ہے"۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے: ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى[4] (ترجمہ) "آپ مومنوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی، محبت اور پیار کے ساتھ پیش آتے ہوئے دیکھیں گے، ان کی مثال ایک جسم کی مانند ہے جسم کے کسی بھی عضو کو اگر تکلیف لاحق ہو جائے تو پورا جسم جاگتا ہے اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔

ایک تیسری حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے: المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا[5] (ترجمہ) "مومن آپس میں ایک عمارت کی مانند ہیں (عمارت کی اینٹوں کی طرح) وہ ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں"۔

ایک چوتھی حدیث شریف میں آپ فرماتے ہیں: من كان في حاجة اخيه كان الله في حاجته[6]۔ (ترجمہ) "جو اپنے بھائی کی حاجت براری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت براری کرتا ہے"۔

---

[1] اس کے لیے علامہ اقبالؒ کا یہ شعر کافی ہے کہ ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں (بانگ درا)

[2] قرآن کریم ۴۹: ۱۰ [3] ترمذی، کتاب الفتن، باب فی لزوم الجماعۃ [4] بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم [5] بخاری، کتاب الادب، باب تعاون المؤمنین بعضہم بعضاً [6] بخاری، کتاب المظالم — ترمذی، کتاب الحدود، باب ما جاء فی الستر علی المسلم — ابو داؤد، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الستر علی المسلمین

ایک اور حدیث شریف میں آپ ارشاد فرماتے ہیں: واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ۔[1] (ترجمہ) "جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے"۔

احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو بھی آدمی اپنے دوسرے مومن یا مسلمان بھائی کی مدد کرتا ہے (اور مدد تو کئی طریقوں سے ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ اس آدمی سے اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ اپنی پوری کائنات اس کی مدد پر لگا دیتے ہیں۔

اسی طرح جو بھی آدمی اپنے دوسرے مومن بھائی کی تکلیف کم کرتا ہے یا سخت اور تکلیف دہ حالات میں اس کی مدد کو پہنچتا ہے، اس کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے: من نفس عن مؤمن کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیٰمۃ۔[2] (ترجمہ) جو آدمی اپنے دوسرے مومن بھائی کی کسی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن کی تکالیف اُس سے دور کر دیتا ہے"۔

گویا کہ جو آدمی سختی، تکلیف یا دردناک حالت میں اپنے مسلمان بھائی کی مدد کو پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس آدمی کی تکالیف، درد اور سختیوں کو دُور کر دے گا۔ اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دنیاوی سختیوں، تکالیف اور درد کے مقابلے میں قیامت کی سختیاں، تکالیف اور درد انتہائی سخت ہوں گی۔

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے: من یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والاٰخرۃ۔[3] (ترجمہ) "جس نے کسی تنگدست اور مفلس کو آرام اور سہولت دی یا جس کسی نے کسی مفلس اور تنگدست کی تنگدستی اور افلاس کو خوشحالی اور سہولت میں بدل ڈالی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی تنگدستی اور افلاس کو خوشحالی اور سہولت میں بدل دے گا۔

سماجی خدمات کے دائرہ میں انسان تو کیا ہر جاندار کو شامل کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ۔[4] (ترجمہ) "اے میرے اُمتی! تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا یعنی اللہ اور اس کے فرشتے آپ پر رحم کریں گے"۔

اور یہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ جب آسمان والا کسی پر رحم کرتا ہے تو اس کی تو پھر پانچوں انگلیاں گھی میں ہوتی ہیں۔ سطح زمین پر آباد پھر ساری مخلوق اس کی خدمت پر مامور ہوتی ہے، اس کے لیے پھر رزق اور آسانیوں کے دروازے کھلتے ہیں، پھر سارے لوگ اس کی عزت اور احترام کرتے ہیں۔ مگر جو لوگ مخلوقِ خدا پر رحم نہیں کرتے اُس پر پھر نہ خدا رحم کرتا ہے نہ فرشتے اور نہ دنیا کی مخلوق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

---

[1] ابو داؤد، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الستر علی المسلمین [2] ایضاً۔ ابو داؤد، ادب، باب المواخاۃ
[3] ابو داؤد، ادب، باب فی المعونۃ للمسلم — ترمذی، کتاب البر، باب من یسر علی معسر [4] المعجم الصغیر، طبرانی (مخطوطہ تحقیق و تعلیق عبدالجبار زبیدی پنجاب یونیورسٹی لائبریری جلد ۲ ص ۱۲۱ — ایضاً، ترمذی، باب ما جاء فی رحمۃ الناس

من لا یرحم لا یرحم[1] (ترجمہ) "جو خدا کی مخلوق پر رحم نہیں کرتا تو اس پر بھی پھر رحم نہیں کیا جاتا۔"

گویا کہ جو لوگ خدا کی مخلوق کے ساتھ پیار و محبت نہیں کرتے اور سختی اور تکلیف میں ان کے کام نہیں آتے وہ پھر اللہ، اس کے فرشتوں اور سطح زمین پر موجود خدا کی مخلوق کی نظر میں ناپسندیدہ ٹھہرتے ہیں، ان کی پھر نہ کوئی عزت کرتا ہے اور نہ احترام، ایسے لوگوں کے ساتھ پھر نہ کوئی پیار کرتا ہے اور نہ محبت، اس قسم کے لوگوں سے پھر لوگ دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام کے ہاں محبت اور نفرت کا معیار اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی اور خوشی ہے، اگر کوئی کسی کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آتا ہے تو یہ صرف خدا کی رضا کے لیے ہونا چاہیے اپنا کوئی ذاتی مقصد یا لالچ اس میں نہیں ہونا چاہیے۔ اور جو کسی کے ساتھ نفرت کرتا ہے وہ بھی صرف خدا اور اس کے رسول کے احکام کی روشنی میں ہونی چاہیے، ذاتی اغراض و مقاصد کی بنیاد پر کسی سے نفرت کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ کسی سے اگر نفرت کرنی ہے تو اس بنیاد پر کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ محبت اور نفرت کا کوئی دوسرا معیار اسلام نے قائم نہیں کیا ہے، اسلام کا معیار یہ ہے کہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔[2] (ترجمہ) "محبت بھی اللہ کے لیے اور بغض بھی اللہ کے لیے" یعنی کسی کے ساتھ محبت بھی اسلام کی بنیاد پر ہونی چاہیے اور بغض اور نفرت بھی اسلام کی بنیاد پر۔

اسلام میں سماجی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس میں مختلف قسم کے کام شامل ہیں۔ سماجی خدمات کا یہ دائرہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) راستے سے اذیت ناک اور خطرناک چیز ہٹانا بھی سماجی خدمت اور نیکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الایمان بضع وسبعون شعبة، اعلاها كلمة لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق[3] (ترجمہ) "ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں، بلند ترین شعبہ لا الٰہ الا اللہ ہے اور ادنیٰ ترین راستے سے اذیت ناک چیز کا ہٹانا ہے" ـــــ گویا کہ راستے سے کانٹا ہٹانا اس نیت سے کہ یہ کسی کے پاؤں میں چبھ جائے گا، نیکی اور بھلائی ہے اور مخلوق خدا کی خدمت ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے: رفعك العظم عن الطريق صدقة و هدايتك الطريق صدقة و عونك الضعيف بفضل قوتك صدقة۔[4] (ترجمہ) "راستے میں

---

[1] بخاری، ادب، باب رحمۃ الناس والبہائم [2] بخاری، ادب، باب الحب فی اللہ [3] بخاری، کتاب المظالم باب اماطۃ الاذی ـــ مسلم، ابواب الایمان، باب ماجاء فی استکمال الایمان [4] مسند احمد بن حنبل ۵: ۱۵۴ (احادیث ابی ذر غفاری رض) نسائی، کتاب الایمان، باب شعب الایمان

موجود ہڈی اس نیت سے ہٹانا کہ اس پر کوئی ٹھوکر نہ کھائے یا کسی کے پاؤں میں چُبھ نہ جائے۔ صدقہ، نیکی اور بھلائی کا کام ہے اور خلقِ خدا کی خدمت ہے۔ اس طرح لوگوں کو راستہ دکھانا اور اپنی ضرورت سے زیادہ مال سے کمزوروں کی مدد کرنا بہت بڑی خدمت ہے۔

(۲) اپنے کسی مومن بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی اور سماجی خدمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاتحقرنّ من المعروف شیئًا ولو ان تلقی اخاك بوجه طلق[1] (ترجمہ) "کسی بھی بھلائی کے کام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے خواہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی اور فراخدلی سے ملنا کیوں نہ ہو۔"

گویا کسی مسلمان سے پیار و محبت سے ملنا بھی سماجی خدمت ہے جس سے معاشرے میں یک جہتی اور بھائی چارہ پروان چڑھتا ہے۔

(۳) درخت لگانا بھی سماجی خدمات میں شامل ہے ـــــ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ما من مسلم یغرس غرسًا او یزرع زرعًا فیأ کل منه طیرٌ او انسان او بهیمة الا کان له به صدقة[2] (ترجمہ) "جو مسلمان بھی کوئی پودا یا درخت لگاتا ہے یا فصل کاشت کرتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ یا انسان یا جانور پھل کھاتا ہے تو یہ اس درخت کے لگانے والے اور فصل کے کاشت کرنے والے کے لیے صدقہ ہے۔"

گویا کہ کوئی درخت یا پودا اس نیت سے لگانا کہ اس سے خدا کی مخلوق پھل کھائے گی یا اس کے سائے میں کوئی آرام کرے گا یا اس کی لکڑی کسی کے کام آئے گی، بڑی نیکی کا کام ہے اور صدقہ جاریہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسان فصل کاشت کرتا ہے، اس سے پھر خدا کی کوئی مخلوق کچھ کھاتی ہے تو اس کے لیے یہ ایک صدقہ ہے اور دین و دنیا کی بھلائی کا کام ہے۔

اس حدیث شریف میں ان لوگوں کے لیے درسِ عبرت ہے جو اُن جانوروں کو مارتے ہیں جو کسی کی فصل کھاتے ہیں۔ در حقیقت جانور تو جانور ہے وہ اچھی اور برائی چیز میں تمیز نہیں کر سکتا، اس لیے اس کو مارنا صحیح اور درست کام نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے، یہ تو در حقیقت اس کے مالک کا قصور ہے جو اپنے جانوروں کی رکھوالی نہیں کرتا اور ان کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔

(۴) اسلام میں ہر بھلائی کا کام نیکی اور سماجی خدمت ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل معروف صدقة[3] (ترجمہ) "ہر اچھا کام صدقہ ہے۔"

---

[1] صحیح مسلم، ابواب البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء [2] بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم
[3] بخاری کتاب الادب، باب کل معروف صدقة

۵) کسی سے اچھی بات کہنا بھی نیکی اور سماجی خدمت ہے جس سے معاشرے میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الکلمة الطیبة صدقة [1] (ترجمہ) "اچھی بات کہنا بھی صدقہ اور نیکی ہے۔" اتقوا النار ولو بشق تمرة فان لم تجد فبکلمة طیبة۔ (ترجمہ) "اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچالو اگرچہ یہ کھجور کے ایک ٹکڑے دینے سے کیوں نہ ہو اور اگر کسی کو دینے کے لیے کھجور کا ایک ٹکڑا بھی موجود نہ ہو تو پھر اچھی اور پیار کی بات کہنے سے ایسا کر لیا کرو۔"

۶) کسی کی حاجت براری بھی سماجی خدمت اور نیکی ہے ـــــ ایک روایت میں ہے کہ: کان النبی جالسا اذجاء رجل یسئال اوطالب حاجة، فقال اشفعوا فلتؤجروا [2] (ترجمہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقام پر تشریف فرما تھے اتنے میں ایک آدمی یا محتاج مانگنے آیا، آپ نے فرمایا کسی سائل کی ضرورت اگر خود پوری نہیں کر سکتے تو دوسروں سے پوری کروانے کی کوشش کرو اس پر بھی اجر ملتا ہے۔"

۷) انصاف، احسان اور رشتہ داروں کا خیال رکھنا بھی سماجی خدمات میں شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى [3] (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ انصاف، احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے۔"

۸) بے حیائی اور غلط کاموں سے لوگوں کو روکنا بھی سماجی خدمت ہے ـــــ ارشاد ربانی ہے: وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ [4] (ترجمہ) "کسی کو بے حیائی اور ناپسندیدہ کاموں اور سرکشی سے روکنا بھی بہت بڑی سماجی خدمت ہے۔"

۹) مہمان کا احترام کرنا بھی سماجی خدمت ہے ـــــ آپ کا ارشاد ہے: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفه [5] (ترجمہ) "جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُس کو اپنے مہمان کی عزت اور احترام کرنا چاہیئے۔"

گویا کہ مہمان کی عزت کرنا اللہ اور یوم آخرت پر یقین کرنے کی علامت ہے۔

۱۰) پڑوسی کا احترام کرنا بھی ایک بہت بڑی سماجی خدمت ہے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جاره [6] (ترجمہ) "جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کا احترام کرے۔"

---

[1] بخاری، کتاب الادب، باب الکلمة الطیبة صدقة [2] ایضاً، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضاً [3] قرآن کریم ۱۶: ۹۰- ایضاً، بخاری کتاب الادب، باب قول اللہ: ان اللہ یامر بالعدل والاحسان [4] قرآن کریم ۱۶: ۹۰ [5] بخاری، کتاب الادب، باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جاره۔ ایضاً، باب اکرام الضیف [6] ایضاً

یہاں بھی پڑوسی کا احترام کرنا اور اس کا خیال رکھنا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی علامت ہے۔

(۱۱) قرآن کریم سیکھنا اور سکھانا بھی سماجی خدمت ہے ــــ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ [1] (ترجمہ) تم میں بہتر لوگ وہ ہیں (یعنی تم میں سماجی کارکن وہ ہیں) جو خود بھی قرآن سیکھتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔"

(۱۲) کسی کو بھلائی کی تعلیم دینا یا کسی کو نیکی کی طرف بلانا بھی سماجی خدمت ہے ــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے علیؓ! اگر تمہاری وجہ سے ایک آدمی بھی اللہ راہِ راست پر لے آئے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹنیوں سے بھی بہتر ہے۔" [2]

گویا کہ کسی کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرنا اور اس کو گمراہی سے بچا کر نیکی کی راہ پر لے آنا بہت بڑی سماجی خدمت ہے، یہ معاشرے پر بھی بہت بڑا احسان ہے اور اس آدمی کے لیے بھی یہ بہترین سرمایۂ آخرت ہے۔

(۱۳) مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا بھی سماجی خدمت ہے ــــ ارشادِ ربانی ہے: وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا [3] (ترجمہ) "اور اللہ کی رضا کی خاطر مسکینوں، یتیموں، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

(۱۴) رشتہ داروں اور یتیموں کی مالی مدد کرنا بھی سماجی خدمات میں شامل ہے ــــ ارشادِ ربانی ہے: وَاٰتَ الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی [4] (ترجمہ) "اور اللہ کی رضا کی خاطر رشتہ داروں اور یتیموں کی مالی اعانت کرتا ہے۔"

(۱۵) اپنے والدین پر خرچ کرنا بھی سماجی خدمت ہے ــــ ارشادِ ربانی ہے: قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی [5] (ترجمہ) "کہہ دیجیے پیغمبر! کہ تم جو مال خرچ کرتے ہو وہ والدین، رشتہ داروں اور یتیموں پر خرچ کرو۔" ــــ یعنی آپ کے مال میں والدین، رشتہ داروں اور یتیموں کا حصہ ہونا چاہیے، یہ بھی بہت بڑی سماجی خدمت ہے۔

(۱۶) یتیموں کی اصلاح اور تربیت بھی بہت بڑی سماجی خدمت ہے ــــ ارشادِ ربانی ہے: وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّہُمْ خَیْرٌ [6] (ترجمہ) "یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ ان کی اصلاح اور تربیت و بھلائی کا کام ہے۔" ــــ اس سے معاشرے کے گرے ہوئے لوگوں

[1] بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ ـ ترمذی، ثواب القرآن [2] لان یھدی بك رجل واحد خیر لك من حمر النعم ــ بخاری، کتاب الجہاد [3] قرآن کریم ۷۶: ۸ [4] قرآن کریم ۲: ۱۷۷ [5] قرآن کریم ۲: ۲۱۵ [6] قرآن کریم ۲: ۲۲۰

کو اٹھان ملتا ہے اور وہ معاشرے کے کارآمد افراد بن جاتے ہیں، اس سے بڑی سماجی خدمت اور کیا ہوسکتی ہے؟

(۱۷) یتیموں کے ساتھ پیار کرنا اور ان پر غصہ نہ ہونا بھی سماجی خدمت ہے ـــــ ارشاد ربانی ہے: وَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ[۱] (ترجمہ) "یتیموں پر غصہ مت کیا کرو"

(۱۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کی پرورش کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے: انا و کافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا[۲] (ترجمہ) "میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ نے اپنی دو انگلیاں ملائیں اور ان کی طرف اشارہ کیا"

(۱۹) بیواؤں اور مساکین کی خدمت اور حاجت براری کرنا بھی سماجی خدمت ہے ـــــ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او کالذی یصوم النھار و یقوم اللیل[۳] (ترجمہ) "بیوہ اور مسکین کا خیال رکھنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے یا دن کو روزہ رکھنے اور رات کو قیام کرنے والے کی طرح ہے"

گویا کہ بیواؤں اور مساکین کا خیال رکھنا اور انکی حاجت براری کرنا بہت بڑی عبادت اور سماجی خدمت ہے۔ گرتوں کو سہارا دینا اگر سماجی خدمت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے ہی کاموں سے معاشرے میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے: کان رسول اللہ ..... لا یأنف ان یمشی مع الارملۃ والمسکین فیقضی لہ الحاجۃ[۴] (ترجمہ) "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ہرگز عار نہیں سمجھتے تھے کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ جائیں اور ان کی حاجت براری کریں"

سماجی خدمات کا تصور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بڑی جامعیت کے ساتھ واضح ہوجاتا ہے کہ: خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ[۵] (ترجمہ) "لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے" ـــــ لوگوں کو فائدہ پہنچانا خواہ کیسا کیوں نہ ہو، سماجی خدمات کے تصور کے اعلیٰ معیار کی بہت بڑی علامت ہے۔

(جاری ہے)

---

[۱] قرآن کریم ۹۳: ۳ [۲] بخاری، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما [۳] ایضاً، باب الساعی علی الارملۃ [۴] نسائی، کتاب الجمعۃ، باب ما یستحب من تقصیر الخطبۃ [۵] مسند امام احمد بن حنبل ج ۳: ۳۶

جناب ڈاکٹر ثریا ڈار

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کی سیاسی تحریک کا پس منظر اور ان کی مساعی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ابتری اور خون ریزی کے پُرفتن اور پُرآشوب دور میں اپنی سیاسی تحریک اور تجدیدی مساعی کا آغاز کیا۔ شمال اور جنوب میں مرہٹوں اور سکھوں کا طوفان، دہلی پر نادرشاہ کا حملہ، پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کا مرہٹوں کو شکست دینا اور بنگال میں انگریزی فوجوں کا سراج الدولہ کو موت کے گھاٹ اتار کر غیروں کی شہنشاہیت کا پرچم لہرانا، سلطنت مغلیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو بجھانے کی سب سے بڑی وجوہ تھیں۔ ان حالات میں مغلیہ سلطنت کا بحال کرانا مشکل ہی نہیں ناممکن امر تھا۔ لہٰذا اس دوران میں شاہ صاحبؒ معاشرے اور ملت کو ضلالت و گمراہی کے گہرے غار میں گرنے سے بچانے کے لئے تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ حکیم الہند شاہ ولی اللہؒ نے اس زمانے کی دفتری زبان فارسی میں بیسیوں کتابیں تصنیف کیں اور ان میں اپنی دعوت کے اصول و مسائل کو ایک ہی جگہ قلم بند نہیں کیا بلکہ ان نااہل لوگوں کی دست برد سے بچانے کے لئے انہیں مختلف کتابوں میں پھیلا کر بیان کیا۔

اس وقت تمام دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً اسلام پر ضعف اور کمزوری کے آثار بہت حد تک نمایاں تھے۔ اپنے وطن کی تباہی و بربادی اور دوسرے ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد شاہ صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ اس تباہی کی اصل وجہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبے پر چھایا ہوا فرسودہ اور بے کار نظام ملوکیت اور شہنشاہیت ہے۔ لہٰذا سب سے پہلا کام "فک کل نظام" یعنی سیاسی اور سماجی زندگی کے ہر شعبے میں ہمہ گیر انقلاب برپا کرنا ہے۔ چنانچہ ان کی سیاسی تحریک کا اصل مقصد مذہب کی روح کو اجاگر کرنا اور عدل و انصاف کی تفصیلات بیان کرنا تھا۔ وہ اپنی ہمہ گیر تحریک کے تحت مسلمانوں کو غیر مسلموں کے اقتدار اور ان کے بے پناہ مظالم سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی تجدیدی دعوت میں زندگی کی وسعت، پذیری اور ہمہ گیری کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ جس کے طرز فکر کا دار و مدار عام مسلمانوں پر تھا۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ ہندوستان کی مرکزیت کو بحال رکھنے کے لئے ہندوستان کی ساری قلمرو ایک بادشاہ، ایک قانون کے اور ایک سیاسی نظام کے تحت دیکھنے کے خواہشمند تھے۔ یعنی عدل و انصاف کرنے والی جمہوری حکومت، شاہ صاحب اپنے مجوزہ نظام میں کچھ اختلاف اور کچھ موافقت کے ساتھ اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب کے زمانے کی

مرکزیت اور سلطنت ہند کے اقتدار اعلیٰ کو بحال دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن جاٹوں، سکھوں، مرہٹوں اور نوابان اودھ اور روہیلوں کی بغاوتوں نے اس کی مرکزیت کو تباہ کر دیا تھا۔ لہٰذا اس لامرکزیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے شاہ صاحب نے ایک نیا دستورِ حیات پیش کیا اور اس کے ساتھ ساتھ تربیتی مراکز قائم کر کے ایک نئے ہندوستان کا تصور پیش کیا۔ اس تصور کی تکمیل ان کے خلفاء اور بالخصوص ان کے جانشین اکبر شاہ عبد العزیزؒ نے انجام دی۔

شاہ ولی اللہ نے بارہ برس کے مطالعے کے بعد اپنے اصلاحی پروگرام کے دو اصول متعین کئے۔ ایک تو قرآن حکیم کی حکمتِ عملی انسانوں کی عملی زندگی قرآنی تصورات و احکامات کی آئینہ دار ہو۔ اس زمانے کے مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی تھی۔ اور عام پڑھے لکھے لوگوں کی زبان فارسی تھی۔ چنانچہ شاہ صاحب نے سب سے پہلے قرآن کا اس زمانے کی دفتری زبان فارسی میں ترجمہ کیا۔ تاکہ کلام الٰہی کو زیادہ سے زیادہ لوگ سمجھیں۔ اس پر جاہ پرست علماء اس قدر برافروختہ ہوئے کہ تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور فتح پوری کی جامع مسجد میں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ اس خوف ناک حالت میں ایک پتلی لکڑی ہاتھ میں لئے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے اس خونی مجمع کو چیرتے ہوئے نکل گئے۔

شاہ صاحب نے قرآن پاک کے اس فارسی ترجمے کے حواشی پر وہ تمام چیزیں جمع کر دی ہیں جو ان کی دعوتِ تجدید میں اساس کا حکم رکھتی تھیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ مکہ معظمہ میں ایک مستقل اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ گو اس زمانے میں تشدّد اور لڑائی کی اجازت نہیں ملی تھی۔ سورۂ رعد کے آخری حصہ میں

"اولم یروا انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها ط واللہ یحکم لا معقب لحکمہ ط وھو سریع الحساب"

کے معنی کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اسلام کی عظیم الشّان حکومت سرزمین عرب میں روز افزوں ترقی پر تھی۔ اور دار الحرب کا دائرہ آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا۔ دار الحرب کے دائرہ اثر کے کم ہونے سے مراد عرب کے مختلف قبائل مثلاً اسلم غفار، جہینہ، مزینہ اور بعض یمنی قبائل کا حلقہ بگوشِ اسلام ہونا ہے۔ یہ واقعہ ہجرت سے قبل کا ہے۔

الغرض شاہ صاحب کے نزدیک مکہ مکرّمہ میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ یہ حکومت امن و سلامتی کے اصولوں پر عامل تھی۔ شاہ صاحب نے بھی اسی نظامِ مکّی کی تقلید کرتے ہوئے اپنی انقلابی تحریک کو جاری رکھا۔ انہوں نے تصوّف کے خاص طریقہ کی بیعت کو اپنے سیاسی نظام کی اساس بنایا۔ لہٰذا اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے امن و سلامتی کی راہ اختیار کی اور ان ہی اصولوں پر اپنی جماعت تیار کی۔ شاہ صاحب طوائف الملوکی کے اس دور میں اگر چاہتے تو ہمدردیٔ نوعِ انسانی کی خاطر دیگر جنگ جو سرداروں کی تلوار ہاتھ میں لے کر فوجی بھرتی کر کے کسی علاقے پر قابض ہو جاتے، لیکن وہ تشدد کے قائل نہ تھے اس لئے کہ اس سے جماعت کا نصب العین "ہمہ گیر انقلاب"، پایۂ تکمیل کو پہنچتا، بلکہ وہ ایسی فوجی قوت سے جس کی ترتیب جہاد کے اصول پر ہوئی ہو۔ انقلاب کے

حامی تھے اس لئے انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اصلاحی نظریات کے مطابق تربیتی مراکز قائم کئے تاکہ اس میں ایسے سرفروش مجاہد تربیت حاصل کریں جو اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کرکے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں اور آپ اپنے اس مقصد عظیم میں کامیاب رہے۔ ان کے بعد ان کے جانشین اعظم شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے حکومت چلانے کے لئے آدمی تیار کئے۔

قرآن پاک کی حکمت عملی کے بعد شاہ صاحب کے اصلاحی پروگرام کا دوسرا اصول اقتصادیات میں توازن اور مساوات کی اہمیت واضح کرنا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اقتصادیات و معاشیات کے مسائل پر اپنی شاہکار کتب حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ میں "ارتفاقات" کے عنوان سے جو اصول پیش کئے ہیں اگر کوئی مسلم حکومت انہیں اپنا دستور اساسی بنالے تو اس کی مملکت یقیناً اقتصادی بے چینی اور طبقاتی کشمکش سے بڑی حد تک محفوظ رہ سکتی ہے۔ ان ہی ابواب ارتفاقات میں مالیات حکومت نظام عدل، فوج، پولیس حتیٰ کہ بلدیات وغیرہ کی تنظیم کا نقشہ بھی پیش کر دیا ہے۔ مثلاً حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اگر کسی قوم میں تمدن کی مسلسل ترقی جاری رہے تو اس کی صنعت و حرفت انتہائی کمال پر پہنچ جاتی ہے اس کے بعد اگر حکمران جماعت آرام و آسائش اور زینت و تفاخر کی زندگی کو شعار بنالے تو اس کا بوجھ قوم کے کاریگر طبقات پر پڑ جاتا ہے۔ انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کیا جائے۔ اس وقت وہ گدھوں اور بیلوں کی طرح کام کریں گے۔ انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہو تو خداوند تعالیٰ انسانیت کو اس سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ ضرور سجھاتا ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ قدرت الہیہ انقلاب کے سامان پیدا کرکے قوم کے سر سے ناجائز بوجھ اتار دے۔ چنانچہ قیصر و کسریٰ کی حکومت نے یہی وتیرہ (آرام و آسائش رفاہیت بالغہ) اختیار کر رکھا تھا۔ اس مرض کے ازالے کے لئے امیین (عربوں) میں رسول کو پیدا کیا گیا۔ فرعون کی ہلاکت اور قیصر و کسریٰ کی تباہی اس اصول پر لوازم نبوت سے شمار ہوتی ہے[۵]"

شاہ صاحب کے اس قول سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی نظام کی اشد ضرورت ہے۔ اقتصادی نظام کے درست اور متوازن ہونے کے نتیجے میں انسانی اجتماع کے اخلاق اعلیٰ بنیادوں پر تعمیر ہوں گے۔ اخلاق کی یہ تعمیر و تکمیل موت کے بعد اسے جنت کا مستحق قرار دے گی۔ اور انسانی اجتماع کو اس ارتقائی منزل پر چلانا انبیاءؑ اور ان کے متبعین یعنی صدیق اور حکیم کا کام ہے جن کے ذریعے انسانیت کے مجموعی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک اقتصادی توازن کے یہی معنی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریے کے مطابق اقتصادی عدم توازن نے مذہب کے سر بفلک قلعوں کو مسمار کیا۔ لہٰذا سوسائٹی کی اقتصادی اصلاح

۵؎ شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ا، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح رسوم مطبع المعریۃ البنیہ ۱۲۹۴ھ ص ۱۰۴، ۱۰۵

مذہبی و اخلاقی عظمت اور روحانی کمالات کا سب سے پہلا زینہ ہے۔ روحانیت اور فلسفہ اخلاق کے بہترین ماہر شاہ ولی اللہ سوسائٹی کی اقتصادی اصلاح کو انبیاء علیہم السلام کا اہم جزو قرار دیتے ہیں۔

شاہ صاحب اپنے اس لائحہ عمل کو ایک مدلّل شکل میں اپنی قوم کے ارباب فکر کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے اور اس منصب کے لئے حدیث و فقہ میں مجتہدانہ کمال کے حصول کی خاطر حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ دو سال کے قلیل عرصے میں قیام کے دوران میں اعلیٰ علمی کتابوں اور جلیل القدر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ شاہ صاحب نے جمعے کی رات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ء میں مکہ معظمہ میں یہ الہامی خواب دیکھا کہ "ملک الکفار مسلمانوں کے شہروں پر قابض ہو گیا ہے"۔

اس خواب کا مشاہدہ ان کو بعد میں یوں کروایا گیا کہ لال قلعے پر مرہٹوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ پھر انہوں نے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ "میں قائم الزماں ہوں" یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ایک ذریعہ بنا دیا گیا ہوں۔

تیس سال بعد ۱۱۷۴ھ میں معرکہ پانی پت میں اس خواب کی تعبیر عمل میں آئی۔ شاہ ولی اللہ کے خاص عقیدتمند نواب نجیب الدولہ اور ان کے رفقائے کار نے ان کے مشورے سے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کی کامیابی نے دہلی کے سیاسی اُفق کو مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے خطرات سے محفوظ کر دیا۔

شاہ ولی اللہ نے قرآن پاک اور احادیث شریفہ پر مبنی اخلاقی اور روحانی اصول کے تابع انقلابی تحریک کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں حکیم الہند نے اپنا ایک نصب العین متعین کیا اور اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک مرکزی جمعیت بنائی۔ اس جمعیت کے نمایاں ارکان میں مولانا عاشق پھلتی، مولانا نور اللہ بڈھانوی، مولانا محمد امین کشمیری، حضرت شاہ عبد العزیزؒ اور مولانا مخدوم لکھنویؒ تھے۔ اس جماعت کی علمی و عملی تربیت کے مراکز مختلف مقامات پر قائم تھے۔ سب سے پہلا اور بڑا مرکز دہلی تھا۔ جو براہِ راست شاہ صاحب کی نظروں کے سامنے تھا۔ دوسرا رائے بریلی کا مشہور اور تاریخی مرکز "دائرہ شاہ علم اللہ" کے نام سے موسوم تھا۔ یہ علمی و عملی مرکز اس علاقے میں تقریباً نصف صدی پہلے سے تعلیم و تربیت کا سرچشمہ بنا ہوا تھا۔ سلطان ٹیپو کی روحانی وابستگی بھی اسی مرکز سے تھی۔ اس مرکز میں کام کرنے والے نسبی لحاظ سے تو شاہ علم اللہ سے وابستہ تھے لیکن علمی و عملی لحاظ سے شاہ ولی اللہ کے تربیت یافتہ اور ان سے مستفید تھے۔ اس تربیت گاہ کے علماء و فضلا میں سے شاہ محمد واضح، شاہ ابو سعید، سید محمد معین اور حضرت سید محمد نعمان تھے۔ جنہوں نے شاہ ولی اللہ سے استفادہ کیا تھا۔ ان دو مراکز کے علاوہ تیسرا مرکز نجیب آباد تھا۔ چوتھا مدرسہ ملّا محمد معین ٹھٹھہ سندھ اور پانچواں اودھ کے دار الحکومت لکھنؤ میں تھا۔ جس میں شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد مولانا مخدوم لکھنویؒ تقریباً نصف صدی تک مسلمانانِ ہند کو مستفیض کرتے رہے۔

شاہ صاحب نے ملوکیت اور اجارہ داری کے بدنما داغ کو دامنِ اسلام سے دھونے کے لئے انقلاب کا چراغ

روشن کیا۔ اگرچہ اس مقصد کے لئے مجاہدین اسلام کو تربیت دینے کے لئے مختلف مقامات پر تربیتی حلقے قائم کئے لیکن شاہ صاحب کا انقلابی فکر اعلیٰ درجے کی انشا پردازی اور سحر آفرین قوت تحریر کے باوجود نشر و اشاعت سے خالی تھا۔ انشا پردازی کی یہ طاقت صرف ان کی کتابوں تک محدود ہو کر رہ گئی جس کی نشر و اشاعت تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد ہو سکی۔ اور ان کے دور میں نشر و اشاعت کا ذریعہ تقریریں اور تعلیم و تربیت کے مندرجہ بالا حلقے تھے۔ طوائف الملوکی اور دن رات کے قیامت خیز ہنگاموں کے باعث شاہ صاحب کو اپنے انقلابی منشور کو یکجا مدون و مرتب کرنے کا موقع نہ ملا۔ ان تمام حالات کے باوجود شاہ صاحب کی یہ جماعت طاقت ور صورت میں ظاہر ہوئی۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اس تحریک کے تین امام۔ امام شاہ ولی اللہ، امام شاہ عبدالعزیز، امام محمد اسحاق اور ایک امیر سید احمد شہید مقرر ہوئے۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ کی وفات (۱۷۶۲ء) سے شاہ عبدالعزیز کی امامت کا آغاز ہو جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے عہد میں تربیت و تحریک جہاد

شاہ ولی اللہ کی وفات (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے بعد ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز کو باپ کا جانشین تسلیم کیا گیا۔ شاہ ولی اللہ کے عہد میں ہندوستان کی سسکتی ہوئی مغلیہ سلطنت آخری سانس لے رہی تھی۔ لیکن شاہ عبدالعزیز کے عہد میں بالکل دم توڑ گئی۔ شاہ ولی اللہ کے عہد میں انگریز بنگال اور مدراس پر قابض ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے ایک معاہدے کے تحت تمام قلمرو کی نظامت الیسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دی اور عملاً یہ قرار پایا کہ خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم انگریز بہادر کا۔

شاہ عالم ثانی کے بعد اکبر ثانی کے عہد میں ایک طرف تو دہلی اور کلکتے تک کے علاقوں میں انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور دوسری طرف دکن میں مرہٹے اور پنجاب میں سکھ زوروں پر تھے۔ اس سیاسی انتشار کے ساتھ مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے ہندوستان کفرستان بن چکا تھا۔ رسوم شرک و بدعت بعض علماء کے گھروں میں بھی کھلم کھلا ادا کی جاتی تھی۔ بیواؤں کا نکاح ثانی حرام اور خلاف شرع سمجھا جاتا تھا۔ فعل غنا و مزامیر و اخلاط امارد، عبادات اور تزکیہ نفس میں شمار کئے جاتے تھے۔ قرآن پاک زیادہ تر مریضوں کی جھاڑ پھونک کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں ہمدردی، اخوت اسلامی، میل جول پیار و محبت مفقود ہو گیا تھا۔ بعض علاقوں میں بلند آواز سے آوازِ کہنا اور گاؤکشی پر قدغن لگا دی گئی تھی۔ ایسا بھی تھا کہ گائے کے ذبح کرنے والے کو پھانسی کی سزا ہوتی تھی۔ اگر یہی حالات تھوڑے عرصے تک برقرار رہے تو اس ملک میں اسلام کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہتا۔ شاہ عبدالعزیز نے مندرجہ بالا برائیوں سے معاشرے کو پاک کرنے کے لئے پبلک جلسوں اور عام اجتماعات میں تقریروں کے ساتھ ساتھ قوم کی علمی، اخلاقی، روحانی اور جسمانی تربیت کی۔ اور اپنے والد بزرگوار کے مقصد اعلیٰ کی تعمیر کے لئے اپنے کام کو نہایت حکمت عملی اور خوش تدبیری سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔